آیات کونیہ میں موجود تکوینی علمی حقائق اور مفسرین کا روائتی تفسیری انداز

The Universal Scientific Truths in the cosmic verses of the Holy Quran and traditional Explanatory style of the commentators

Raja Abdul Qayyum Khan
Scholar Doctor of Philosophy
Department of Quran & Tafsir, AIOU
rajaabdulqayyum2018@gmail.com

Dr. Hafiz Muhammad Sajjad
Associate Professor
Department of Interfaith Studies, AIOU, Islamabad

ABSTRACT

The Number o f the Cosmic verses in the Holy Quran is about, 750. In these verses provide the universal scientific arguments on the existence of the Almighty Allah alone. In these verses man is given a real concept of the universe, and invited to him for the considering on the wise system of the universe. By these verses have been challenged to the polytheists and atheist philosophers who say that the universe is itself creator and they do not believe in Allah Almighty. So there is a refutation of all false philosophies in these verses. In the cosmic verses appreciated all the scientific and philosophical sciences which can be better for humanity. The knowledge contained in Quranic verses is evoliry with the passage of time, but the commentators while the interpretation of the Holy Quran used the traditional way instead of the scientific methodology and style. In such a situation why the Islamic world is far behind from the other nations in the field of scientific development.

"آیات کونیہ کا تعارف"

قرآن کریم کی وہ آیات جن میں تخلیق و تنظیم کائنات و موجودات، انجام کائنات و موجودات کے حکیمانہ نظام پر انسان کو تدبر و تفکر، مشاہدہ اور تجربی توثیق کے حوالے سے تکوین عالم میں مضمر غایات کو پانے کی ہدایات و ترغیبات موجود ہیں تاکہ انسان علمی و عقلی استدلال کے ذریعے تکوین و تنظیم عالم پر غیر جاندارانہ غور و فکر کرتے ہوئے تخلیق و تنظیم کائنات و موجودات کی اس حقیقت تک پہنچ سکے کہ کائنات و موجودات کی تخلیق و تنظیم میں ایک انتہائی لامحدود ذہانت اور قدرت کار فرما ہے۔ جس کے بغیر کائنات و موجودات کی تخلیق و تنظیم، ترتیب اور تدبیر ممکن نہیں۔ اور اس لامحدود ذہانت، قدرت و حکمت سے متصف صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے جس کا کوئی

دوسرا شریک نہیں۔ آیات کونیہ میں وعوتی اسلوب میں دنیا کے تمام لوگوں، فلسفیوں اور سائنسدانوں کو چیلنج دیا گیا ہے جو الحادی سوچ و فکر اور نظریات کے حامل ہیں۔

ان آیات میں انسانی علوم عقلیہ وصناعیہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ اہل علم کی اصطلاح میں ان آیات کریمہ کو ''آیات کونیہ'' کہا جاتا ہے یعنی "The Cosmic verses of the Holy Quran"۔

آیات کونیہ کی تعداد تقریباً سات سو پچاس ہے اور یہ قرآن کریم کے تقریباً نویں حصے پر مشتمل ہیں جبکہ ان کی نسبت آیات تشریعی و آیات عبادات و معاملات کی تعداد تقریباً ایک سو پچاس پچاس ہے اور اگر آیات عبادات سے آیات معاملات کو الگ شمار کیا جائے تو آیات عبادات کی تعداد صرف ایک سو رہ جاتی ہے۔ علامہ طنطاوی کے نزدیک آیات کونیہ کی تعداد آیات عبادات سے چوبیس گنا زیادہ ہے۔ دیکھیے۔1

''کونیات کی اہمیت اور آیات کونیہ''

کونیات ذات باری تعالیٰ کی موجودگی اور اس کے خالق ومالک، قادر وقدیر، حاکم وحکیم، مُبدأ علیم ومصور رحیم ہونے اور اس کی تخلیقی و تنظیمی فعلیت کے کمالات کا مظہر اور اس کے مختار کل اور وحدہ لاشریک لہ ہونے کا واضح عقلی و عملی استدلال مہیا کرتی ہیں۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں کونیات کی چالیس مرتبہ قسمیں کھائی ہیں۔ جن میں بیس قسمیں عالم علویات سے متعلق ہیں جن میں اجرام فلکی شامل ہیں اور بیس قسمیں سفلیات سے متعلق ہیں جن میں موسمیات سے لے کر زمین اور اس کے متعلقہ اشیاء شامل ہیں۔ دیکھیے۔2

کونیات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ترتیب توقیفی کے اعتبار سے قرآن کریم کی سب سے پہلی سورۃ الفاتحہ ہے۔ اس کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے ساتھ جس چیز کی طرف انسانی توجہ کو مبذول کرایا گیا ہے وہ عالموں (Worlds) کا ذکر ہے۔ یعنی مخلوقات میں سب سے پہلے کونیات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے نیز ترتیب نزولی کے اعتبار سے قرآن کریم کی سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات میں سے سب سے پہلی آیت میں اللہ رب العزت کی ربوبیت کے ذکر کے ساتھ ہی اُس کی تخلیقی فعلیت کی صفت بیان فرمائی گئی ہے اور اس کی دوسری آیت میں انسانی تخلیق اور اس کے مادہ تخلیق کی جانب متوجہ فرمایا گیا ہے کہ انسان سب سے پہلے اس پر غور وفکر کرے کہ اس مادہ سے انسان کو کیسے خلق کیا گیا ہے؟۔ گویا کہ نزول قرآن کی ابتداء میں ہی انسان کی توجہ جس علم کی طرف دلائی گئی ہے وہ علم کونیہ ہے۔ قرآن کریم میں جس چیز پر انسان کو دعوت تدبر و تفکر دی گئی ہے وہ کونیات ہیں اور ذات باری کی وحدانیت ،اس کی قدرت ،طاقت وحکمت اور اس کی ہر آن موجودگی اور ہمیشگی پر عقلی استدلال کونیات ہیں جن کا صحیح تصور قرآنی آیات کونیہ سے میسر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو علماء کونیات کی اہمیت سے واقف ہیں اور قرآن میں ان کے متعلق احکامات اور اس کی آیات میں موجود لفظی و معنوی علوم کی اہمیت سے واقف ہیں ان کے نزدیک علوم کونیہ کی معرفت فرض ہے اور ان کے نزدیک قرآن کریم نے جس چیز کو

علم کہا ہے وہ در حقیقت علوم کونیہ ہیں۔ جیسا کہ علامہ طنطاوی جوھری، ابن خلدون اور بہت سے دوسرے علماء کا کہنا ہے۔ ان علماء کے نزدیک جو علوم مقصود بالذات ہیں وہ علوم کونیہ ہیں۔ جبکہ زبان و ادب نحو اور منطق وغیرہ حصول علم کے ذرائع ہیں۔ جہاں تک عبادات و معاملات کا تعلق ہے تو عبادات دین کی اصل ہیں۔ ان کی ادائیگی تو اساس دین ہے اور ان کے متعلق جاننا ہر مسلمان مرد و عورت کا اولین فریضہ ہے۔ طنطاوی کے نزدیک ان کے علم سے مراد عبادت عملی کا علم ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کریم میں جن لوگوں کو حقیقتاً علماء کہا گیا ہے اس کے اولین طور پر مصداق کونیات میں تدبر کرنے والے علوم کونیہ کے جاننے والے لوگ ہیں۔ جیسا کہ سورہ فاطر کی آیت 28: سے واضح ہے جس میں فرمایا گیا ہے

"اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا"

(اللہ سے حقیقی معنوں میں وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علماء ہیں)

چنانچہ مذکورہ آیت کریمہ کا یہ جملہ، جبال و انہار، ثمرات، الوان، حیوانات اور چوپائیوں میں غور و فکر کی تلقین کے بعد آیا ہے۔ دیکھیے۔3۔ اگرچہ علم کے دوسرے شعبہ کے جاننے والے بھی علماء ہی کہلائیں گے لیکن نزول قرآن کے زمانے میں آج کل کی طرح کے علوم فقہ و تفسیری و نحوی علوم نہ تھے۔ نیز عربی زبان و ادب تو عربوں کا مادری ورثہ اور زبان تھی۔ قرآن کریم نے اُس وقت جنہیں اہل علم کہہ کر مخاطب بنایا ہے وہ حقیقتاً فلسفی، حکیم و علوم کونیہ کے ماہرین تھے۔

"تصور کائنات اور انسانی عقائد"

تصور کائنات و موجودات اور انسانی عقائد کا آپس میں ایک نفسیاتی تعلق ہے کیونکہ ہر انسان اپنے عقائد کو تصور کائنات و موجودات سے تطبیق دینے کے ساتھ متعین کرتا ہے۔ انسان کا یہ تصور خواہ صحیح ہو یا غلط لیکن ہر انسان یہ سمجھتا ہے کہ قوانین و تنظیم کائنات کی تمام کڑیاں اپنے اپنے حلقوں میں اُس کے عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ چنانچہ ہر شخص اپنے اپنے عقائد کے تناظر میں اپنا اپنا تصور کائنات متعین کیے ہوئے ہے اور اپنے اس تصور سے وہ ایک منٹ بھی جدا ہونا نہیں چاہتا بلکہ اس تصور پر وہ کٹ مرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس پر آنچ نہیں آنے دیتا کیونکہ اُس کے عقائد، تصور دنیا اور اس کے انجام کی تمام عمارت تصور کائنات کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور وہ اپنی اس عمارت کو کسی صورت گرتا ہوا اس لیے نہیں دیکھنا چاہتا کہ وہ اُس کی نفسیات و عقائد کا مکمل طور پر حصہ بن چکی ہوتی ہے۔ وہ بھوکا رہنا تو پسند کر سکتا ہے لیکن وہ تصور کی اس عمارت کو گرانے کے لیے تیار نہیں ہوتا، کیونکہ اُس کے عقائد اسی پر استوار ہوتے ہیں اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ دنیا، زمین و آسمان سب اسی طرح قائم ہیں جس طرح اُس کا تصور ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد رفیع الدین،

> "(انسان کا) یہ تصور خواہ صحیح ہو یا غلط اور وہ اس پر شعوری توجہ دے یا نہ دے لیکن وہ یقین رکھتا ہے کہ قوانین کائنات کا مکمل سلسلہ اپنے حلقوں کی ترتیب کے ساتھ اس کے تصور کے اندر موجود ہے اور اس کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے"4

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس تصور کی درستگی کے لیے قرآن کریم میں سات سو پچاس کے قریب آیات کونیہ نازل فرمائیں تا کہ انسانی عقائد کی بنیاد مضبوط دلائل پر قائم ہو اور ہر قسم کے خود ساختہ اور دیومالائی تصور کو چھوڑتے ہوئے صحیح تصور کو وہ اپنالے اور اپنے عقائد کی درستگی کے ساتھ اپنی عبادات کے رُخ کا بھی صحیح طور پر تعین کر سکے۔ کیونکہ جب تک انسان کا تصور کائنات و موجودات درست نہیں ہو گا تو اُس کے عقائد بھی درست نہیں ہو سکتے اور جب عقائد درست نہیں ہوں گے تو عبادات کا رُخ بھی کبھی درست نہیں ہو سکتا۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مشرکین بھی کسی نہ کسی طور خدا کو مانتے اور اس کی عبادت کے دعویدار ہوتے ہیں خواہ ان کا تعلق کسی دور سے بھی ہو لیکن ان کا تصور کائنات خود ساختہ، دیومالائی ہوتا ہے اس لیے وہ خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ ہمارے مفسرین و علماء اس بات پر متوجہ نہیں ہوئے اور انہوں نے ایک طرف علوم تشریعی اور عبادات کے مسائل پر ہزاروں کتب تالیف کر ڈالیں جن میں رطب و یابس ہر طرح کی روایات موجود پائی جاتی ہیں لیکن آیات کونیہ سے علوم و مسائل کا استنباط نہیں کیا جن کے متعلق قرآنی آیات کی تعداد ان سے چوبیس گنا زیادہ ہے اور قرآنی کونیات کے تصور کو اپنائے بغیر عبادات کا صحیح رُخ کبھی بھی صحیح طور متعین نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہو سکتا ہوتا تو قرآن کریم میں ان کے نزول کو ضروری نہ سمجھا جاتا۔

"علوم عقلیہ وصناعیہ کی اہمیت قرآن کی نظر میں"

صناع و ایجادات فطرت انسانی کا خاصہ ہیں جو کہ انسان کے عقلی کمالات کا اظہار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرت انسانی میں ودیعت کیا ہے اور انسان با اعتبار جنس اسی کمال فطری ودیعت کی بنا پر دوسری مخلوقات سے اشرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی صلاحیتیں بے مقصد عطا نہیں فرمائیں بلکہ اللہ تعالیٰ انسان جیسی تحقیق و تفکر اور عقلی صناعی صلاحیتوں کی حامل مخلوق کو پیدا فرما کر اپنی تخلیقی فعلیت کے اس شاہکار اعلیٰ کے فطری ودیعتی اوصاف حسن کے کمالات کو دیکھانا چاہتا ہے کہ اس نے اس طرح کی حیرت انگیز مخلوق کو پیدا فرمایا۔ چنانچہ انسان جب اپنی عقلی صناعی فطرت کا اظہار کرنے کے لیے کوئی ایسی چیز بناتا ہے اور ایجاد کرتا ہے جو انسانیت کے لیے منافع بخش ہو تو انسان کی ایسی ایجادات و مصنوعات کو اللہ تعالیٰ یہ تفریق کیے بغیر کہ ان کو بنانے والے کافر ہیں یا مسلمان بلا تفریق مذہب ایسی ایجادات و مصنوعات کو اپنی نشانیاں قرار دیتے ہیں اور انہیں اپنے فعل سے منسوب فرماتے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن کریم کی متعدد آیات موجود ہیں لیکن مفسرین کی تفسیری کتب میں کہیں شاذ و نادر ہی اس نقطہ کو واضح کیا گیا ہو تو کہا نہیں جا سکتا ورنہ تو علما و مفسرین کا عمومی تصور تو آج تک یہی چلا آیا ہے کہ یہ کفار کی ایجاد ہیں اور کراہت طلب ہیں اور بعض نے تو سائنسی ایجادات و مصنوعات کو شیطانی ایجادات و آلات سے تشبیہہ دی ہے اور بعض نے سائنس کو اندھیرا اور ظلمت قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو 5

حالانکہ ایسے لوگوں نے یقیناً یہ کبھی نہ سوچا ہو گا کہ نزول قرآن اور اس سے قبل کی انسانی ایجادات اور صنعتوں کے بنانے والے بیشتر کفار و مشرکین تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں قرار دیا اور ان ایجادات و مصنوعات کو اپنے فعل سے منسوب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

" وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ "6

(اور جہاز بھی اُسی کی نشانیوں میں سے ہیں جو
سمندر میں پہاڑوں کی طرح بلند کھڑے ہیں)

" اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ- " 7

(کیا انہوں نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ سمندر میں جو کشتیاں چلتی ہیں
تو بلاشبہ اللہ کی نعمتیں ہیں، تاکہ تم اللہ کی نشانیوں پر نظر کر سکو)

قوم سبا کے تعمیراتی فن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فعل سے منسوب فرمایا ہے۔

" وَ جَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ " 8

(اور بنادیں ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان ایسی بستیاں کہ ان میں ہم نے
ایسی برکت رکھی کہ دور سے نظر آتی تھیں اور ان میں ہم نے خاص اندازہ مقرر دیا)

قرآن کریم میں دیگر بہت سی اقوام گذشتہ کی تباہی اور ان پر عذاب مسلط کیے جانے کا ذکر موجود ہے لیکن ان پر عذاب مسلط کیے جانے کی وجہ ان کی صنعتی سائنسی ترقی نہیں بلکہ اتنی عظیم عطاؤں، آسائیشوں اور علوم صناعیہ و عقلیہ کی عطائیگی کے باوجود، ان صلاحیتوں کے عطا کرنے والے یعنی ذات باری تعالیٰ کی ناشکری، نافرمانی، رعونت، تکبر اور اُس کا انکار کرنا وجہ عذاب تھا لیکن تفسیری مطالعہ کے بعد عمومی طور پر قاری یہ تاثر لیتا ہے کہ ان کی صناعی عقلی ترقی خدا کو ناپسند تھی اور اس وجہ سے ان قوموں پر عذاب مسلط کر دیا گیا، گویا وہ ان کی ایسی چیزوں کو بھی وجہ عذاب اور خدا کی ناپسندیدگی میں شمار کرتا ہے۔

"آیات کونیہ اور کائنات میں دعوت تفکر"

قرآن کریم وسیع تر معنوں میں کائنات میں تفکر، تدبر و مشاہدہ کی دعوت دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ قرآن کریم کسی ایک طرح کے طرز تدبر و مشاہدہ کی دعوت دیتا ہو اور دوسرے طریقوں سے منع کرتا ہو یا صرف ایک نظر کائنات کو دیکھ لینے کو تفکر قرار دیتا ہو اور عملی مشاہدہ کی ممانعت کرتا ہو، یا صرف داخلی تفکر کو سراہتا ہو اور معروضی تدبر کو ناپسند کرتا ہو۔ ایسا ہرگز نہیں اور نہ قرآن کریم سے کوئی ایسا ثابت کر سکتا ہے کہ قرآن کریم کسی محدود طرز تفکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے اور علمی سائنسی و فلسفیانہ تفکر و مشاہدہ کی مخالفت کرتا ہے۔ قرآن کریم وسیع تر معنوں میں کائنات میں تفکر و تدبر اور مشاہدہ کی دعوت دیتا ہے۔ اگر قرآن کریم کائناتی مشاہدہ کو کسی ایک طرز پر محدود کر دیتا تو پھر الحادی ذہنیت رکھنے والے فلسفیوں اور سائنسدانوں کو بات کرنے کا موقع مل جاتا کہ قرآنی دعوت تفکر تو نا اعوذ

باللہ محدود و متعین ہے۔ جبکہ اس طرز فکر کے علاوہ تجزیاتی و تجرباتی طرز فکر بھی موجود ہے۔ لیکن اگر کتب تفسیر کا عمومی مطالعہ کیا جائے تو قارئین کو یہ تاثر ملتا ہے کہ کائنات و موجودات پر بس ایک نگاہ ڈال لینے سے زیادہ قرآنی تفکر و تدبر کا اور کوئی مقصد نہیں ہے اور سائنسی یا علمی طرز تدبر گویا کہ الحادی طریقہ تدبر ہے جبکہ قرآن سے ایسا طرز تفکر ثابت نہیں۔ **ملاحظہ ہو۔** 9 حالانکہ مفسرین کا ایسا تصور قرآنی نہیں بلکہ یونانی طرز تفکر ہے اور اس طرز تفکر پر انہوں نے قرآنی تفکر کو منطبق کرنے کی کوشش کی کیونکہ محض داخلی طرز تفکر کا تصور یونانی فلسفہ میں پایا جاتا ہے جبکہ قرآنی دعوت تفکر میں تو داخلی و معروضی دونوں طرز تفکر کے احکامات و تمثیلات موجود ہیں۔ جبکہ دور اول کے بعد جب یونانی فلسفہ کے عربی میں تراجم ہونا شروع ہو گئے تو قرآنی مفسرین نے یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر اس کے تناظر میں قرآنی تفسیر لکھنا شروع کی اور اس طرح انہوں نے بہت سے یونانی افکار کو قرآنی تفسیر میں شامل کرنا شروع کیا اور ایسے طور ہی تفسیر میں اسرائیلیات کے افکار اور دیگر کئی مذاہب کی باتیں بھی شامل کر لیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ولولہ، تحریک، جوش و جذبہ جو قرآن کے براہ راست مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے تفسیری مطالعہ سے وہ ماند اور ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ علم جو قرآن سے میسر آتا ہے تفسیری مطالعہ کے بعد وہ ذہن انسانی کے تراشیدہ اور زائیدہ علم کی نظر ہو گیا اور اس طرح تشریعی علوم کے علاوہ بیشتر قرآنی علوم اُمت مسلمہ کی نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئے اور یہ سلسلہ آج تک ایسا ہی چلتا آرہا ہے۔ جہاں تک یونانی طرز تفکر و تدبر کا تعلق ہے تو یہ افلاطونی و سقراطی فلسفہ سے ماخوذ ہے جو صرف داخلی تفکر کی حمایت تک محدود ہے۔ بقول علامہ محمد اقبال

> Socrates concentrated his attention on the human world alone. To him the proper study of man was man and not world, plants, insects and stars. As true diciple of Socrates, Plato despised sense-perception which in his view 10
>
> (سقراط کی توجہ کا مرکز صرف عالم انسانی تھا۔ اس کے نزدیک انسان کو سمجھنے اور اس کے مطالعہ کا بہترین موضوع صرف انسان ہی تھا، نہ کہ نباتات و حشرات، نجوم و فلکیات، سقراط کے شاگرد افلاطون کو بھی ادراک بالحواس سے نفرت تھی۔ اُس کا نظریہ یہ تھا کہ ان اشیاء پر تفکر و تدبر سے کوئی حقیقی علم حاصل نہیں ہو جاتا)

اقبال کے نزدیک دور اول کے بعد کے مسلم علماء و مفسرین نے قرآن کریم کا مطالعہ بھی یونانی ظن و تخمین اور یونانی فکر کے زیر اثر ہو کر کرنا شروع کیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ جبکہ قرآن کریم کی روح اساساً یونانیت سے متضاد اور اس کے منافی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔

This is what earlier Muslim Students of the Quran completely missed under the spell of classical speculation. They read the Quran in the light of Greek thoughts. 11

(ایسا اسی لیے ہوا کہ شروع شروع میں مسلمانوں نے (دور اول کے بعد) قرآن مجید کے مطالعہ میں یونانی ظن و تخمین سے متاثر ہو کر اسے نظر انداز کر دیا، باالفاظ دیگر انہوں نے قرآن مجید کا مطالعہ بھی فکر یونان ہی کی روشنی میں شروع کر دیا)

"نبوی تفکر و تدبر کائنات"

عملی مشاہدہ اور معروضی تفکر کی عدم حمایت کے سلسلہ میں عمومی طور پر بیشتر علماء و مفسرین کی جانب سے یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ عملی تفکر و تدبر اور تجرباتی توثیق کے ذریعے اثبات حق اس لیے غیر لازم ہے کہ اس کا قرآن میں باقاعدہ حکم نہ ہونے کے علاوہ سنت نبوی اور صحابہ کرام کے عمل سے بھی اس کی مثال ملنی موجود نہیں۔ نیز عرب ایک وحشی و جاہل قوم تھے ان کا علوم کونیہ یا کائنات کے عملی مشاہدہ سے کیا تعلق بنتا ہے کہ قرآن انہیں ایسا کرنے کا حکم دیتا؟

جہاں تک قرآنی احکامات اور اس سے متعلقہ عملی تمثیلات کا تعلق ہے تو صفحات گذشتہ میں اسے کافی حد تک واضح کر دیا گیا ہے اور مزید قرآنی حوالوں کے ساتھ اس کا ثبوت آئندہ صفحات میں بھی آرہا ہے۔ جہاں تک نبوی تفکر کائنات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں چند باتوں کا پیش نظر رہنا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی ﷺ نبوت سے پہلے غار حرا میں جا کر جو عبادت کرتے تھے تو وہ کائنات پر تدبر و تفکر اور عبرت پذیری تھی، دیکھیے۔12۔ نیز آپ کے دل میں سفر حضر کے دوران قبل از نبوت، خود اپنے آپ کے ہونے، وجود میں آنے، زمین و آسمان، بلند پہاڑوں، کھنڈرات و میدانوں، گردش لیل و نہار، چمکتے ہوئے ستاروں، بارش و بادلوں اور دیگر اشیاء کے متعلق انہیں دیکھ کر کتنے ہی سوالات سر ابھارتے تھے کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہے؟ اس کا جواب آپ ﷺ کو غار حرا میں وحی کی آمد کے ساتھ ہی مل گیا اور کائنات و موجودات کی تخلیق و تنظیم کی حقیقت کو آپ ﷺ پر واضح کر دیا گیا۔ جہاں تک تجربی توثیق اور عملی مشاہدہ کا تعلق ہے تو دوسروں کو بتانے اور سکھانے کی نبوت کے ہاں کئی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن بیشتر علماء و مفسرین کا دھیان شاید اس طرف نہیں گیا کہ نبوت عملی تجربات کی مرہون منت نہیں ہوتی کیونکہ نبوت پر تو وحی آتی ہے اور اسے خود کائنات کے خالق و مالک کی طرف سے حسب ضرورت وہ سب کچھ بتا دیا جاتا ہے جو نہ تو کسی سائنسی تجربہ یا فلسفہ سے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی سائنس یا تجربہ وہاں تک کُلی طور پر رسائل حاصل کر سکتا ہے۔ اس لیے نبوت کے ہاں سائنسدانوں اور فلسفیوں کی طرح تجربات و مشاہدات نہیں ہوتے اور نہ ایسا طریقہ ہائے کار نبوت کے شایان شان ہے کہ وہ سائنسی تجربات کر کے دکھائے۔ باوجود اس کے نبوت کے ہاں ایسے علوم کی

ترغیبات موجود ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کفار و مشرکین اور الحادی ذہنیت کے فلسفیوں اور سائنسدانوں کے لیے قرآن کریم خود چیلنجر ہے اور نبوت کے ذمہ اس کا پیغام پہنچانا ہے۔ اس اعتبار سے یعنی قرآن کی جانب سے خود نبوت بھی نہ ماننے والوں کے لیے چیلنجر ہے۔ تو اس اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تو خود چیلنجر کو تجربات کر دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ وہ جس چیز کا دوسروں کو چیلنج دے رہا ہوتا ہے تو خود اُس کا بخوبی علم رکھتا ہے۔ چنانچہ نبوت کا کام صاف کھلے طور پر اللہ کا پیغام دوسروں تک پہنچا دینا ہے۔ اب عملی تدبر و مشاہدہ کے ذریعے حقیقت کو جاننا اور تجربی توثیق کی اگر ضرورت پیش آئے تو یہ کام در حقیقت اُمت کے اہل علم و تحقیق افراد کا ہے یا اُن دوسرے لوگوں کا جو کونیاتی علوم کے ماہر یا اس کے جاننے والے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت میں واضح سے ہے۔

"بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِؕ-وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ "١٣

(واضح بیان کے ساتھ ہم نے اس قرآن کو آپ ﷺ پر نازل کیا تا کہ لوگوں کے لیے جو کچھ بھی اس میں بیان ہوا ہے آپ ﷺ اسے کھول کر بیان کر دیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس پر تفکر کریں)

مذکورہ آیت کریمہ کے علاوہ بھی قرآن کریم میں عملی تدبر و تفکر و مشاہدہ کے متعلق بہت سی آیات ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تجربی توثیق و عملی مشاہدہ کے ذریعے دوسروں پر قرآنی حقانیت کا اثبات کرنا اور کفار و مشرکین کی جانب سے اس سلسلے میں دیئے گئے چیلنجز کو قبول کرنا اُمت مسلمہ کے اہل علم و تحقیق افراد پر فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ ابن خلدون کے بقول اگر سنت کے نزدیک علوم کونیہ کی اہمیت نہ ہوتی تو پھر نبی ﷺ اہل فارس کی تعریف میں کیوں فرماتے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ "علم اگر آسمان کے گوشوں میں بھی جا چھپے گا تو اہل فارس اسے وہاں سے بھی اتار لائیں گے" دیکھیے۔14۔ ظاہر ہے کہ جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا تو اُس وقت تک نہ تو فارس فتح ہوا تھا نہ وہاں ابھی تک اسلام پہنچا تھا جبکہ اہل فارس تو فلکیات کے ماہر تھے۔ فارس تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں فتح ہوا۔

"صحابہ کرام اور تفکر و تدبر"

صحابہ کرام میں بہت سے لوگ علوم کونیہ سے واقف تھے، لہٰذا قرآن میں جب کونیات سے متعلق کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اُس کا مفہوم و مدعا سمجھ جاتے تھے۔ وہ اس بات کا ادراک رکھتے تھے کہ بعض آیات میں آئندہ زمانوں میں ظاہر ہونے والے حالات و واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ اور بعض آفاقی حقیقتوں کا انکشاف آنے والے زمانوں میں ہو گا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

" سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَ فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّؕ"15

(عنقریب ہم عالم دنیا اور ان کے انفس میں انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر حق واضح ہو جائے گا)

صحابہ کرام یہ بھی جانتے تھے کہ قرآن کریم میں موجود بعض حقائق کا انکشاف آئندہ زمانوں میں ہو گا جیسا کہ مذکورہ آیت کریمہ اور قرآن کی اس آیت کریمہ میں واضح ہے۔

"والتعلمن نباه بعد حين " 16

(تم ایک مدت گزرنے کے بعد جان لو
گے کہ اس قرآن کی باتیں سچ ہیں)

بقول ڈاکٹر محمد رفیع الدین" بے شک صحابہ کرام کے زمانے میں بھی یہی قرآن موجود تھا لیکن صحابہ ان علمی صداقتوں سے انکار نہیں کرتے تھے جو آج دریافت ہوئی ہیں اور نہ ہی ان کو اسلام سے منہا کرتے تھے کیونکہ جو (علمی) صداقتیں لفظاً ان کے سامنے موجود ہی نہیں تھیں اور معناً وہ نہ صرف ان علمی صداقتوں پر بلکہ اُن تمام صداقتوں پر ایمان رکھتے تھے جو قیامت تک دریافت ہو سکتی ہیں۔ دیکھیے۔17

باوجود اس کے صحابہ اپنے اپنے علم کی روشنی اور تقاضہ کے تحت قرآنی آیات پر بہت تدبر و تفکر کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ تدبر و تفکر کوئی صرفی یا نحوی تو نہیں تھا کیونکہ زبان و ادب میں وہ اس وقت پوری دنیا میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ اُن کا یہ تدبر علم کے عملی تناظر میں تھا۔ جیسا کہ اس بات سے ظاہر ہے کہ بعض صحابہ کرام صرف ایک ایک سورۃ پر تدبر میں کئی کئی سال لگاتے تھے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے سورۃ البقرۃ کو سیکھنے میں آٹھ سال صرف کیے۔ دیکھیے18۔ بعض صحابہ کا معمول تھا کہ وہ جب تک قرآن کی دس آیات کو سمجھنے میں مکمل عبور حاصل نہ کر لیتے آگے نہ بڑھتے تھے۔ اس طرح انہیں کسی ایک ایک سورت کو سمجھنے اور تدبر میں کئی کئی سال لگ جاتے تھے۔ دیکھیے۔19۔ عمومی طور پر مفسرین کے ہاں صحابہ کرام کے متعلق یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ جس طرح عرب سے باہر کی دنیا کے لوگ خصوصاً برصغیر کے لوگ جو کائنات سے ناواقف ہیں آیات کونیہ سے جس طرح یہ معنی اخذ نہیں کر سکتے تو صحابہ کرام کے دور میں بھی بس ایسا ہی تھا اور نہ تو وہ کونیات کو سمجھنے کی گہرائی میں جاتے تھے نہ وہ برصغیر کے لوگوں کی طرح ان آیات میں موجود لفظی و معنوی علوم کا کچھ اس سے زیادہ مطلب لیتے تھے۔ حالانکہ یہ تصور سراسر غلط ہے۔ صحابہ میں بہت سے لوگ کونیات کا علم رکھتے تھے جو انہیں ورثہ میں ملا تھا اور جو وہ ماحولیاتی اعتبار سے رواج کے طور پر سیکھتے تھے۔ مثلاً ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس کو ہی لیجیے تو وہ عرب کے کئی علوم کے ماہر تھے اور تبھی تو قرآن کی تفسیر کرتے تھے اور ان علوم کا حصول بھی اُس دعا ہی کا نتیجہ تھا جو نبی ﷺ نے ان کے حق میں فرمائی تھی کہ " اے اللہ! انہیں حکمت سکھا دے۔ "صرف یہی نہیں بلکہ صحابیات میں بھی کئی خواتین علوم کونیہ میں دسترس رکھتی تھیں اور خاص کر طب و جراحی میں ماہر تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ کے بارے میں تو مستند حوالوں کے ساتھ یہ مشہور بات ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شعر و لغت طب، علم انساب اور ایام

العرب کے علوم کی عالمہ تھیں۔ بعض صحابہ کا کہنا یہ تھا کہ انہوں نے علم طب، شعر اور فقہ میں حضرت عائشہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ دیکھیے۔20۔

"عرب اور علوم کونیہ"

عمومی طور پر مفسرین کے ہاں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ قرآن کے ابتدائی مخاطبین عرب لوگ تھے جو کہ جاہل اور وحشی قوم تھی۔ اس لیے کونیات اور دیگر تہذیبی و تمدنی علوم کا ان کے ہاں کوئی تصور تک موجود نہیں تھا یہ لوگ صحرائی اور بدویانہ طرز زندگی پر تھے۔ بجز زبان دانی کے ان کے ہاں علم یا فلسفہ و حکمت کا کوئی گزر نہیں تھا۔ اس لیے قرآن سے جس قدر انہوں نے ایسے علوم مثلاً کونیات وغیرہ کو اخذ کیا یا سمجھا تو ہم بھی اس سے زیادہ کے مکلف نہیں ہیں۔ اس طرح کے تصور نے ہمارے مفسرین کو علوم کونیہ کے حصول اور ان کے اخذ و استنباط سے باز رکھا۔ حالانکہ عربوں کے بارے میں ایسا تصور ایک انتہائی محدود تصور ہے جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن جیسی بلند مرتبہ الہامی اسلوب پر مبنی کتاب کا اصول بلاغت قطعاً یہ نہیں ہے کہ وہ اتنے گہرے اور عالمگیر علمی حقائق ایک ایسی قوم کے سامنے بیان کرے جن کے متعلق وہ کسی طرح کا ادراک نہ رکھتی ہو، ایسا ممکن نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ جس شخص نے اُن کے ادب کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہو وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ فصاحت و بلاغت کا ملکہ اور فلکیات تو عربوں کو ورثہ میں ملا تھا۔ اُن کا بچہ بھی فلکیات کے متعلق وہ کچھ جانتا تھا جہاں آج کے بڑے سائنسدان بمشکل پہنچے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ خود قرآن کریم میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ عرب فلکیات و بعض علوم کونیہ سے خاصی واقفیت رکھتے تھے اگرچہ اس سلسلہ میں ان کے کئی تصورات غیر صحیح یا دیومالائی قسم کے تھے لیکن فلکیات سے وہ بہر حال واقفیت رکھتے تھے۔ مثلاً جیسا کہ قرآن میں ہے۔

'' وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ''21

(اور علامات (ارضیہ و فلکیہ) اور ستاروں کے
ذریعے وہ لوگ راہوں کو معلوم کرتے تھے)

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۙ(۷۵)وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۙ''22

(ہمیں تاروں کے مواقع کی قسم۔ اور اگر تم سمجھو تو بلاشبہ یہ ایک بڑی قسم ہے)

عربوں کے متعلق مفسرین کے ہاں جو غلط تصور پایا جاتا ہے اس کے متعلق اس سلسلے میں امین احسن اصلاحی رقمطراز ہیں۔

"افسوس کہ عربوں کے متعلق علماء اور نئے تعلیم یافتہ حضرات سبھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہمارے علماء کے نزدیک تو اسلام اور قرآن کا کمال ظاہر ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ عربوں کو چوپائیوں

سے بھی بدتر ثابت نہ کر دیں۔ رہے نئے تعلیم یافتہ حضرات تو یہ لوگ بھی زمانہ نزول اسلام کے جاہل اور وحشی عربوں میں کسی طرح کی ذہنی و دماغی صلاحیت و استعداد کا تصور نہیں رکھتے۔ حالانکہ عربوں کے متعلق یہ نہایت غلط خیال ہے۔ جس شخص نے ان کے ادب کا تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہو گا وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ذہنی اعتبار سے عرب زمانہ جاہلیت میں بھی اپنی دوسری معاصر اقوام سے کسی طرح بھی پیچھے نہ تھے۔" 23

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے جو ایسے علماء و مفسرین کے لیے باعث الجھن ہے کہ اگر عرب جاہل نہیں تھے تو پھر قرآن نے انہیں کس وجہ سے جاہل کہا ہے؟ تو اس کا جواب بالکل آسان اور قابل فہم ہے کہ عرب علوم و فنون کے اعتبار سے جاہل نہ تھے اور نہ قرآن نے انہیں اس بنا پر جاہل کا خطاب دیا ہے بلکہ قرآن نے تو ان کی سب سے بڑی جاہلیت ہٹ دھرمی، نفسیاتی الجھن، تعصب، بغض و عناد کی بنا پر انہیں جاہل کا خطاب دیا ہے جیسا کہ دور جدید میں ہمارے علماء نے جدید جاہلیت پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں تو اس کا مطلب ہر گز اُن کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ اہل یورپ یا دیگر غیر مُسلم، مخالفین اسلام یا بدعات و رسومات کے بانی و متبعین علوم و فنون کے اعتبار سے جاہل ہیں بلکہ وہ تو اب ستاروں سے بھی آگے کمندیں ڈال رہے ہیں۔ اسی اعتبار سے نزول قرآن کے زمانے کے عربوں کو بھی قرآن نے جاہل قرار دیا ہے۔ بقول محمد قطب (مصری):

"جاہلیت اس نفسیاتی کشمکش کا نام ہے جس میں مبتلا ہو کر لوگ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایت قبول نہیں کرتے۔ عرب اس اعتبار سے جاہل تھے کہ انہوں نے اس میں مبتلا ہو کر ہدایت الٰہی کا انکار کیا تھا، جہاں تک علوم و فنون کا تعلق ہے تو قرآن نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ عرب فلکیات، طبیعات، کیمیاء اور طب وغیرہ سے ناواقف تھے یا انہیں سیاسی نظام چلانا نہیں آتا تھا یا وہ مادی پیداوار یا زراعت سے ناواقف تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن ان تمام چیزوں کی تفصیل فراہم کرتا۔"

24

اس بات کو سید ابو الاعلیٰ مُودودی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ "عرب علوم و فنون کے اعتبار سے جاہل نہ تھے۔" 25

"تجربی توثیق و شہادت"

تجربی توثیق و شہادت سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی علمی شہادت موجود ہو یا تجرباتی اعتبار سے وہ سامنے آئے جو قرآنی بیان یا اس میں موجود معنوی علوم سے مطابقت رکھتی ہو تو اسے قبول کرنا اور بطور شہادت پیش کرنا خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی علمی فلسفیانہ یا تجرباتی نظریہ جب قرآن سے مطابقت پیدا کر لیتا ہے تو ایسا تب ہوتا ہے کہ جب وہ حتمی نتائج تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سے قبل کے اُس کے تجرباتی نظریہ کو حتمی نہیں مانا جا سکتا اور اگر کل کو وہ تبدیل ہو جائے تو بغیر غلط ہوئے وہ تبدیل نہیں ہو سکتا

۔لہذا کفار کی جانب سے اگر کوئی ایسا سائنسی نظریہ سامنے آتا ہے جو قرآن سے مطابقت پیدا کر لیتا ہے جیسے بگ بینگ تھیوری یا بگ رِپ تو اسے بطور سائنسی شہادت پیش کرنا قرآنی مقاصد کے عین مطابق متصور ہو گا۔ جیسا کہ قرآن کریم سے ظاہر ہوتا ہے۔

"وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی مِثۡلِهٖ" 26

(اور بنی اسرائیل میں سے ایک شخص اس قرآن کی مثال دے

کر یہ شہادت دے چکا ہے (کہ یہ سچ ہے)

مذکورہ آیت میں زبانی، عملی، علمی و فلسفیانہ شہادت کی کوئی قید موجود نہیں بلکہ علمی سائنسی شہادت تو زبانی سے بھی زیادہ واثق مقصود ہو گی۔

'' شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ ؕ ''27

(خدا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور

فرشتے بھی اور ایسے اہل علم لوگ بھی جو انصاف پر قائم رہنے والے ہیں)

مذکورہ آیت کریمہ میں اہل علم سے مراد اُس دور کے اہل کتاب جو شرک نہیں کرتے تھے، حکیم و فلسفی اور علوم کونیہ کے جاننے والے ایسے لوگ جو اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ کائنات و موجودات کا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہے اور جو بھی ہے ایک ہی ہستی ہے۔ جبکہ مسلمان تو اہل علم یا غیر اہل علم وہ تو اس شہادت سے الگ ہو کر مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔

'' اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ ''28

(بلاشبہ جن لوگوں کو اس (قرآن کے نزول) سے قبل علم دیا گیا ہے)

تجربی توثیق کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو یہ ہے کہ اگر کفار کی جانب سے کوئی علمی ایسا چیلنج موجود ہو کہ اس کا جواب دیا جانا ضروری ہو اور ایسا نہ کرنے سے لوگوں کے ایمان متزلزل ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو اور اہل کفر اپنے کفر کی توثیق یں اسے پیش کر کے اس پر پختہ ہو جائیں اور اسے دنیا کے سامنے بطور جواز پیش کریں تو اس چیلنج کو قبول کرنا اور اس کا جواب دینا میدان جنگ کی طرح فرض ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ نفسیاتی جنگ ہے جو میدان جنگ سے بھی کہیں زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتی ہے کیونکہ یہ براہ راست نوع انسانی کے عقائد پر حملہ آور ہو کر انہیں متزلزل کرنے کا کردار ادا کرتی ہے لیکن دور حاضر کا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے مفسرین علماء جب اپنے فتوؤں کے ذریعے علوم کونیہ کو خارج از بحث اور جدید سائنسی علوم کو الحادی علوم سے تشبیہہ دے چکے ہیں اور قرآنی آیات کونیہ میں موجود لفظی و معنوی علوم کو علمی اسالیب میں واضح کرنے کے بجائے اس کا رُخ صرفی و نحوی بحثوں کی جانب موڑ چکے ہیں تو پھر اُمت مسلمہ کے افراد میں ایسے علوم کے حصول کا جذبہ اور کفار کے چیلنجز کو قبول کرنے کی استطاعت کیسے اور کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے ؟اس سلسلہ میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی رقمطراز ہیں۔

"انما بعثت معلماً صحیح مسلم کی حدیث ہے جس میں پیغمبرانہ انقلاب کے طریقہ کار کے معلم ہونے کی طرف اشارہ ہے جس سے ان تمام نتائج کے برآمد ہو کر رہنے کے بارے میں تجربی توثیق و شہادت کا چیلنج قبول کیا جا سکتا ہے جس کے قبول کرنے میں مصطلحات قرآنی کے مفہوم کو لُغت کے حوالے سے متعین کرنے کا طرز عمل حائل ہے۔ جس کی بدولت "الکتب" کو صحف ماسبق سے متمیز نہ کیا جا سکا"29

تجربی توثیق کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ نہ ماننے والوں کو ممکن الوجود تجربہ کے ذریعہ حق کو واضح کر دکھانا، اس کی کئی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں لیکن مفسرین کی جانب سے انہیں واضح کرنے میں اغماز برتا گیا ہے تاکہ تجربی توثیق اور سائنسی تجربات کو مخالف اسلام یا غیر ضروری ظاہر کیا جا سکے۔ تجربی توثیق یا سائنسی تجربات و ایجادات کی مخالفت کا جواز مفسرین کے ہاں عمومی طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ ایمان کا مدار سائنس پر نہیں قرآن پر ہے لہذا اسلام اس بات کا محتاج نہیں کہ اُسے سائنس سے ثابت کیا جائے۔ مفسرین کا یہ کہنا سو فیصد درست ہے کیونکہ اگر کوئی شخص محض سائنس کی وجہ سے ایمان رکھتا ہے تو یقیناً نہ تو وہ ایمان بالغیب ہو سکتا ہے نہ خالصتاً اس وجہ سے اس کا ایمان مقبول ہو سکتا ہے، لیکن ایسے مفسرین کا دھیان شاید اس طرف نہیں گیا ہو گا کہ قرآن کو سائنس کی ضرورت قطعاً نہیں لیکن سائنس کو تو قرآن کی ضرورت ہر حال میں ہے۔ اس لیے بھی کہ سائنس کائنات و موجودات کے متعلق کئی تجربات کر سکتی ہے اور قیامت تک یہ جاری رہیں گے اور یہ نتیجہ بھی سائنس نے کسی نہ کسی طور اخذ کر لیا ہے کہ اس سارے نظام کے پیچھے کوئی لامحدود اور تجربات میں نہ آنے والی قوت موجود ہے لیکن سائنس حتمی طور پر بغیر وحی کے بتلائے پورے طور تجربات کے ذریعے خدا کا ادراک نہیں کر سکتی لہذا سائنس کو خدا کا صحیح تصور پانے کے لیے قرآنی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ دوسری بات یہ کہ دنیا کی پانچ ارب سے زیادہ آبادی جو غیر مسلم ہے ان کا سب کچھ سائنس ہے، چنانچہ ایسے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے پیغام پہنچانے والے اُن علوم سے لیس ہوں جن کا دور جدید میں تقاضہ ہے۔ مزید یہ کہ دنیا کے ساتھ چلنے اور دور جدید میں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے سائنسی علوم کے حصول کے بغیر چارہ نہیں، جہاں تک تجربی توثیق کا تعلق ہے کہ تجربات اور عمل کے ذریعے دوسروں پر حق کو واضح کیا جائے تو قرآن کریم میں واضح طور اس کی مثالیں موجود ہیں مثلاً جیسا کہ سورۃ الانبیاء آیات:28-29 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق موجود ہے کہ انہوں نے کفار کے بتوں کو ان کی بے خبری میں توڑ کر اُن پر عملاً اور تجربتہً یہ واضح کر دیا کہ جو یہ نہیں بتا سکتے کہ انہیں کس نے توڑا ہے تو وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح قرآن کریم کی سورۃ الانعام آیت:78 میں واضح طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ موجود ہے کہ انہوں نے فلکیاتی تجربی توثیق کے ذریعہ اپنی قوم پر یہ واضح کر دیا کہ فلکیات یا جو بھی زوال پذیر ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہر زمانے کے علوم اور تجرباتی سائنس اور مہیا سہولیات اور تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بمطابق ضرورت اور زمانی چیلنجز کو قبول کر کے حق کو واضح کرنا حق کے داعیوں کے لیے ضروری ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بیشتر علماء و مفسرین، تحقیق، تجسس اور تجرباتی تحقیق کو ایمانیات کے مخالف تصور کرتے ہیں تو ان کا ایسا خیال درست نہیں اور نہ ہی وہ اصل حقیقت تک پہنچنے اور اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے کوشاں ہوتے دکھائی دیئے ہیں جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ یہ فطرت انسانی کا ایک خاصہ ہے اور بااعتبار جنس اسی بنا پر انسان دوسری مخلوقات سے اشرف ہے، تحقیق و تجسس اور تجربی توثیق کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے اہل ایمان کے اطمینان میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور اہل کفر کو ان کے عقائد باطلہ کا عملاً جواب دیا جاتا ہے ۔اس کو اس بات کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے کہ میدان جنگ میں اگر اہل کُفر کو شکست ہوتی ہے تو اس سے اہل ایمان کے حوصلہ و اطمینان اور مسرت میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اہل ایمان کا ایمان فتح پر منحصر نہیں ہوتا کہ اگر کسی وجہ سے وقتی طور پر شکست کا سامنا کرنا پڑ جائے تو وہ مذہب ہی کا انکار کر دیں ایسا نہیں ہوتا۔

تجسس اور تجربی توثیق اور اطمینان قلبی کی مثالیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک اور نبی کے واقعہ سے جن کا نام بقول مفسرین حضرت عزیر علیہ السلام ہے لی جاسکتی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ البقرہ آیت نمبر:258,259 میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اطمینان میں اضافہ کرنے اور ان کی متجسسانہ آرزو کو پورا کرنے کے لیے انہیں تجربی توثیق کے مرحلہ سے گزارا اور ان کی اس خواہش اور اس خاصہ فطری کی تکمیل کا سامان کیا۔

"غیر مسلم کی تائید حق کی قبولیت کا سنت سے ثبوت"

قرآنی حوالے سے صفحات گذشتہ میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم تائید حق کے ضمن میں غیر مسلم کی شہادت و حمایت کو سراہتا ہے جبکہ سنت میں بھی اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ جب کسی غیر مسلم سے حق بات کی تائید ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس پر نہایت خوشی کا اظہار فرماتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اور بعثت نبوی ﷺ کا مقصد ہی حق کا انکار کرنے والوں کو قبول حق کو دعوت دینا ہے اور اگر وہ شعوری بلندی کی اس سطح تک پہنچ جائیں کہ وہ کسی حق بات کی شہادت دینے لگیں تو ان کی اس بات پر اظہار مسرت ایک فطری اور فاتحانہ بات ہے۔ قرآن کریم اپنے مقصد نزول کو یوں واضح کرتا ہے۔

" لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ "30

(تاکہ یہ اُن لوگوں کو جو زندہ ہیں ہدایت کا راستہ دکھائے اور کافروں پر حق بات واضح ہو جائے)

اُمیہ بن ابی الصلحت جو حالت کفر پر مرا، نبی کریم ﷺ کے بہت بڑے دشمنوں میں شمار ہوتا تھا اور وہ آپ ﷺ سے حد درجہ بغض و عناد رکھتا تھا۔ اس لیے کہ وہ خود نبوت کا خواہاں تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت اور اعلان نبوت سے اُسے شدید صدمہ لاحق ہوا۔ اس نے کفار کے مقتولین بدر کے حق میں مرثیہ کہا۔ اس کے کفر کی مذمت قرآن میں نازل ہوئی ہے۔ باوجود اس کے نبی رحمت ﷺ نے اس کے اشعار میں جو سچی باتیں ہوتی تھیں جن سے تائید حق ہوتی تھی ان کی تصدیق فرمائی اور انہیں سراہا۔ اس کے متعلق آپ ﷺ کا یہ فرمانا تھا کہ "اس کا دل تو کافر ہے لیکن اس کی زبان مسلمان ہے" دیکھیے 31-

ایک یہودی عالم نے جب نبی ﷺ کے سامنے اس بات کا ذکر کیا کہ قیامت کے روز اللہ آسمانوں کو ایک اُنگلی پر، زمین کو ایک اُنگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور مٹی کو ایک اُنگلی پر اٹھائے گا اور فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں تو آپ ﷺ اس یہودی کی اس بات پر اس قدر خوش ہوئے اور اس قدر ہنسے کہ آپ ﷺ کی نواجذہ مبارک (کچلیاں) نظر آنے لگیں۔ ملاحظہ کیجیے 32-۔ اس طرح کی دیگر مثالیں بھی موجود ہیں۔ یہ مثالیں اس بات کی تحدید نہیں کرتیں کہ کفار کی جانب سے اگر حق کی زبانی تائید ہوتی ہو تو اس کو قبول کرتے ہوئے اس پر مسرت کا اظہار کیا جائے بلکہ ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علمی و فلسفیانہ اور تجرباتی کسی بھی طور اگر حق کی تائید ہوتی ہو تو اسے قبول کرتے ہوئے اس پر اظہار مسرت کیا جائے۔

"قرانی چیلنجز کا مفسرین کے ہاں تصور"

قرآن کریم نے مخالفین کو مختلف سورتوں میں مختلف مقامات پر یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ اس قرآن جیسی کوئی سورت بنا کر دکھا دیں اگر وہ اس بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہیں کہ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ خود محمد ﷺ نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے اور اس سلسلہ میں انہیں کھلے طور پر یہ اجازت ہے کہ وہ اپنے ساتھ تمام انسانون اور جنوں کو بھی جمع کر لیں لیکن باوجود اس تمام تر کوشش کے وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے اور نہ کبھی ایسا کر سکیں گے کہ اس قرآن کی ایک سورۃ جیسا بھی کوئی کلام بنا سکیں۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت:23، سورۃ ھُود آیت:13، سورۃ بنی اسرائیل آیت:88، سورۃ الطور آیت:34 میں کفار کے لیے ایسے چیلنجز موجود ہیں لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ مفسرین نے ان قرآنی چیلنجز کو صرف قرآنی فصاحت و بلاغت تک محدود کر کے رکھ دیا۔ قرآن کریم اگرچہ دنیا میں بلند ترین فصاحت و بلاغت کی الہامی کتاب ہے اور اس ضمن میں بھی اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ لیکن قرآن کی کسی سورت سے یہ ظاہر نہیں ہو تا کہ وہ مخالفین کو صرف زبان دانی کی نحوی فصاحت و بلاغت میں تو چیلنج دیتا ہے لیکن آیات میں موجود اصطلاحاتی، لفظی و معنوی علوم میں نہیں۔ حالانکہ قرآن کفار کو ہر طرح کے علوم خواہ علمی (سائنسی) ہوں یا فلسفیانہ، عقلی ہوں یا تجرباتی، عالم سفلی کے متعلق ہوں یا ماورائی عالم کے متعلق، علوم ظاہری کے متعلق ہوں یا باطنی کے متعلق، تخلیق کائنات و موجودات کے متعلق ہوں یا انجام کائنات و موجودات کے متعلق، عالم انسانی کے متعلق ہوں یا حیوانی کے متعلق، عالم ارضی کے متعلق ہوں یا فلکیاتی ہر طرح کے علوم اور تجربات میں چیلنج کرتا ہے اور انہیں دعوت تفکر و تدبر دیتا ہے خواہ وہ موضوعی ہوں یا معروضی الغرض ہر شعبہ ہائے علم اور ہر میدان میں قرآن مجید اپنے دعوتی اُسلوب میں اپنے مخالفین کو چیلنج دیتا ہے۔ لیکن مفسرین نے اسے زبان دانی کے صرفی و نحوی چیلنج تک محدود کرتے ہوئے باقی چیلنجز کو اپنے اپنے تفسیری علوم میں ظاہر نہیں کیا اور انہیں ہذف کرتے ہوئے نحوی تناظر میں فصاحت و بلاغت پر بیسوں کتب تحریر کر ڈالیں اور ان میں فصاحت و بلاغت کی جانچ پرکھ کے جو اصول وضع کیے وہ بھی قرآنی نہیں بلکہ یونانی ادب سے مستعار لیے گئے ہیں جبکہ قرآنی بلاغت تو بہت بلند معیار کی حامل الہامی اسلوب پر مبنی ہے۔ بقول امین احسن اصلاحی :

"بد قسمتی سے ہمارا فن بلاغت تمام تر مبنی ہے ان اصولوں پر جو یونانیوں سے لیے گئے ہیں یہ اصول یونانی ادب کی خوبیوں اور بلاغتوں کے پرکھنے کے لیے معیار تو بن سکتے ہیں لیکن ان کو قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت کے جانچنے کے لیے کسوٹی بنانا ایسا ہی ہے جیسے کوئلے تولنے کی ترازو سے اشرفیاں تولنے کی کوشش کی جائے۔"33

"دور اول اور علمی و فلسفیانہ چیلنجز"

دور اول کے بارے میں عمومی طور پر علماء و مفسرین کے ہاں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اُس وقت سائنس و فلسفہ کا کوئی وجود نہیں تھا اور نہ ہی اُس دور میں اسلام کو کسی طرح کے سائنسی یا فلسفیانہ چیلنجز کا سامنا تھا اور اُس دور میں ایسے علوم کے سیکھنے سکھانے کا کوئی رواج موجود نہ تھا۔ عرب قوم جاہل اور وحشی تھی اُن کے ہاں ایسے علوم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کے بنیادی مخاطب اہل مکہ اور پھر رفتہ رفتہ حجازی عرب کے لوگ ہوئے، جو علوم و فنون سے نابلد تھے۔ اگرچہ قرآن قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے کتاب ہدایت ہے لیکن قرآن اور سائنس و فلسفیانہ علوم کا آپس میں کوئی تعلق نہیں بنتا کیونکہ دور اول میں ایسی کوئی مثال موجود دکھائی نہیں دیتی کہ قرآن کریم کے مخاطبین اولین کا ایسے علوم سے سابقہ پڑا ہو یا ایسے علوم سے انہوں نے کوئی استفادہ کیا ہو یا وہ اسلام کے لیے کسی طرح کے چیلنجز بنے ہوں۔ جبکہ سائنسی و فلسفیانہ علوم کا آغاز عالم عرب میں تو اُس وقت ہوا جب یونانی فلسفہ کے عربی میں تراجم ہونا شروع ہوئے۔ یہ ایک ایسا تصور ہے کہ جسے علماء و مفسرین وجہ جواز بنا کر سائنسی و فلسفیانہ علوم کو غیر ضروری اور قدرے غیر اسلامی علوم سمجھتے ہوئے اُمت مسلمہ کے افراد کو ان سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا تصور ایک نامکمل تصور اور یکطرفہ سوچ اور اُس دور کے ماحولیاتی اثرات و کیفیات سے ناواقفیت کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے جبکہ صورتحال اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن جو سچائی پر مبنی سینکڑوں علوم کی حامل الہامی کتاب ہے اس کے بارے میں ایسا تصور رکھنا کہ اُس کی اولین مخاطب علوم و فنون سے عاری ایک جاہل و وحشی قوم تھی، قرآنی بلاغت کے اصولوں سے عدم واقفیت پر مبنی بات ہے۔ حالانکہ قرآنی بلاغت کا اصول یہ ہے کہ جو قوم جن علوم کی متحمل نہ ہو تو اُس کے سامنے انتہائی علمی باتوں کو پیش نہ کیا جائے۔ جبکہ قرآن کریم تو عالمگیر حقائق پر مبنی علوم کا منبع ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اُس دور میں بھی ایسے لوگ یقیناً موجود تھے جو قرآن میں بیان کیے گئے کونیاتی علوم کا ادراک کرنے کے قابل تھے یا ان سے وہ کسی قدر واقفیت رکھتے تھے۔ ورنہ قرآن انہیں اتنی بلند سطح کے کائناتی علوم پر تفکر و تدبر اور تحقیق و جستجو کا دعوتی اسلوب میں چیلنج نہ دیتا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے اولین مخاطبین میں بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر دنیا کے چوٹی کے علماء، فلسفی اور علوم کونیہ کے جاننے والے لوگ موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان کے سامنے کائناتی حقائق کا انکشاف کیا اور اس سلسلہ میں انہیں چیلنج دیا۔ جہاں تک قریش مکہ یا دیگر حجازی عرب کے لوگوں کا تعلق ہے تو ان کا ایسے علوم سے اگرچہ براہ راست تعلق بہت کم تھا لیکن ان پر دنیا کے کئی فلسفوں کے اثرات موجود تھے جن کی بنا پر وہ کونیاتی علوم سے

متعلق سوالات کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کی آزمائش کرتے اور آپ ﷺ کو پریشان کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت دنیا میں بہت سے مذاہب اور فلسفے رائج تھے جو الحادی شرکیہ نظریات وعقائد پر مبنی تھے۔ ان میں ہر فلسفہ اور ہر مذہب اپنا الگ الگ تصور کائنات رکھتا تھا۔ ہر ایک کے ہاں مختلف فلکیاتی نظریے رائج تھے۔ مثلاً چینی مذہب کنفیوشش کی تعلیمات سے ماخوذ تھا جبکہ ان کا سائنسی نظریہ Jen سے ماخوذ ہے۔ چینی تصور کائنات بھی اس وقت دنیا کے بعض بڑے حصوں پر پھیلا ہوا تھا۔ ھندی تصور کائنات جو مختلف فلسفوں کا معجون مرکب تھا اس کے اثرات بھی دنیا میں کہیں کہیں موجود تھے۔ ھندی فلسفہ یونانی فلسفہ ہی کی ایک صورت تھی، یونانی ورومی فلسفہ عالم عرب کے ارد گرد کے علاقوں پر اثر انداز تھا۔ مصری سائنس کا تو اس کے ارد گرد کے علاقوں میں بول بالا تھا۔ اہل عرب یعنی قریش وغیرہ یا دیگر مخالفین یہودیوں سے فلسفیانہ سوالات پوچھ کر نبی ﷺ کو پریشان کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دیکھیے۔34 کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ نے نہ تو خود کوئی علم پڑھا نہ کسی دوسرے سے کبھی کوئی علم حاصل کیا۔ لہذا ان کے تصور میں یہ تھا کہ اتنے بڑے کائناتی علوم اور کونیات پر آپ ﷺ کی دسترس نہیں ہے لہذا آپ ﷺ ایسے کائناتی حقائق اور فلسفیانہ چیلنجز کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ لیکن انہیں اس وقت حیرت ہوتی جب آپ ﷺ قرآن کریم انہیں پڑھ کر سناتے کہ جس میں حیرت انگیز اتنے اتنے بڑے کائناتی حقائق کا انکشاف اور تمام باطل نظریات وفلسفوں کا رد اور مخالفین کے لیے علمی چیلنجز موجود ہوتے۔ ”ابن کثیر نے سہیلی کے حوالے سے یہ ظاہر کیا ہے کہ جن یہودیوں نے نبی ﷺ سے رُوح وجننیات وغیرہ کے متعلق سوالات کیے تھے جن کا ذکر صحیح بخاری میں ہے تو وہ دراصل یہودی فلسفی تھے۔ چونکہ روح کو پہچاننے کے لیے کوئی طبعی وفلسفیانہ راہ نہیں اس لیے انہیں قرآن مجید کی طرف سے ایسا جواب دیا گیا۔ یعنی یہ کہ اُن کا علم اس کی حقیقت کو پوری طرح نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ روح امر ربی ہے۔“ ملاحظہ ہو35

مفسرین اس بات پر بہت کم روشنی ڈالتے ہیں کہ اہل یہود اور نصاریٰ کے لوگوں میں فلسفی بھی تھے جن کا تعلق یونانی رومی فلسفہ سے تھا۔ جبکہ ان دونوں کے ہاں تثلیث اور ابنیت کے عقائد انہیں فلسفوں سے ماخوذ تھے۔ نصاریٰ کے رب الارباب کا تصور رومی فلسفہ سے ماخوذ تھا۔ ”روم میں رب الارباب کے لیے ایک مقام مختص کیا گیا تھا“ دیکھیے۔36۔ جہاں تک اہل یہود کا تعلق ہے تو ان کے علماء میں بیشتر فلسفی تھے، جیسا کہ بیان کیا گیا وہ جو روح، جنینیات، بادلوں، بارش، زمین و آسمانوں اور ان کے انجام کے متعلق اکثر سوالات کرتے، تو وہ زیادہ تر کتابی علم کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ فلسفی اور بیشتر علوم کو نیہ جاننے والے تھے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو فلسفی کہلوانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں محمد لطفی جمعہ رقمطراز ہیں کہ :

> ”حکماء یہود کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جس کی وجہ سے ان پر صحیح معنوں میں فلاسفہ کا اطلاق نہیں کیا جاتا وہ یہ تھی کہ وہ جب کبھی فلسفیانہ مسائل پر بحث کرتے تو ان کو مذہب کے دائرہ میں لے آتے تھے اور ان مسائل کے موافق یا مخالف کوئی حکم لگانے کو وہ عقل بشری سے بالا قرار

دیتے تھے۔ اس کی بہترین مثالیں عہد قدیم کے اسفار سے سفر ایوب میں مل سکتی ہیں۔'' دیکھیے۔

37

یہودی فلسفہ یونانی فلسفہ سے ماخوذ تھا جبکہ یہودی فلسفیوں کا دعوی تو یہ تھا اور اب بھی موجود ہے کہ یونانی فلسفیوں کی بنیادی تکوین میں بنی اسرائیل کا بڑا عمل دخل ہے اور بنی اسرائیل کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے سامنے یونان کے معروف فلسفیوں مثلاً افلاطون، سولن، طایس، فیثا غورث، ڈیمو قراطیس، بطلیموس اور ارسطاطالیس وغیرہ نے زانوائے تلمذ طے کیا جبکہ دوسری طرف اس بات کا پیش نظر رہنا بھی ضروری ہے کہ یونانیوں نے جب اہل سوریہ پر فتح حاصل کی تو عالم عرب میں یہودیت کے ذریعے اپنے فلسفہ کی اشاعت کرائی، دیکھیے۔ 38۔ یہ بات بھی پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ غیر اللہ کو الہ ماننے اور سمجھنے کا تصور، یقینا یونان سے سوریہ میں منتقل ہوا۔ کیونکہ یونانی، فرشتوں، ستاروں اور دیگر جن اشیاء کی پرستش کرتے تھے تو وہ انہیں چھوٹے دیوتا مانتے تھے اور ان کا نام انہوں نے "Olympic gods" یعنی ''الھتہ'' رکھا۔ اہل عرب جب شام سے اپنے ملک میں بت لائے تو اُن کا بتوں کے متعلق یہی تصور تھا۔ دیکھیے۔ 39۔ نزول قرآن کے زمانے میں انہی یونانی فلسفیوں کا نظریہ کائنات و فلکیات، عالم عرب اور ارد گرد کی دنیا میں رائج تھا۔ ان سے زیادہ بہتر اور قابل یقین نظریہ اُس وقت کوئی دوسرا نہ تھا اور اگر یہ غلط تھا تو اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا نظریہ اُس وقت ایسا نہ تھا جسے پیش کر کے اس کا رد کیا جا سکتا۔ ان فلسفیوں میں معروف فلکیاتی نظریہ فیثا غورث اور بطلیموس کا تھا۔ مشہور یونانی فلسفی فیثا غورث زمانہ نزول قرآن سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے گزرا ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوشہ چینوں سے تھا اور حضرت دانیال علیہ السلام کی صحبت میں رہا۔ اہل علم کے نزدیک اس نے علم و حکمت کا جو بہرہ وافر حاصل کیا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی پیغمبر ہی کی تعلیمات نبوت کا فیضان ہے۔ فیثا غورث پہلا شخص تھا جس نے خدا شناسی و معرفت الٰہی کا نام فلسفہ رکھا ورنہ قبل اس کے یہ لفظ ایجاد نہیں ہوا تھا۔ دیکھیے۔ 40۔ ان فلسفیوں کے زمانے میں اُس وقت کے حالات کے مطابق سائنسی ترقی کا آغاز ہو چکا تھا، سکندریہ سکول آف تھا ٹس کی وجہ سے مصری سائنسی ترقی اُس وقت دنیا بھر مین مشہور تھی اور رصد گائیں اور آلات رصدیہ بھی ایجاد ہو چکے تھے۔ الغرض زمانہ نزول قرآن سے قبل اور نزول قرآن کے زمانے میں عالم عرب اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں سائنسی ترقی موجود تھی اگرچہ حجازی عرب میں اس کا ایسا رواج نہ تھا مگر ان میں بھی لوگ بالواسطہ طور پر کونیات سے واقفیت رکھتے تھے اور عمومی فلکیات تو ان کا ورثہ تھا۔ اس سلسلہ میں مفتی محمد شفیع رقمطراز ہیں کہ :

> ''آیات کونیہ میں بیان کردہ علوم سے متعلق جاننے والے اس وقت دنیا میں موجود تھے ان علوم کے جاننے کا اس وقت دنیا میں رواج بھی تھا۔ حضرت عیسی علیہ السلام سے پانچ سو سال پہلے فیثا غورث اور بطلیموس کا نظریہ (فلکیات) اس وقت دنیا میں شائع ہو چکا تھا اور رائج تھا۔ اس زمانے کے حالات کے مطابق آلات رصدیہ بھی ایجاد ہو چکے تھے۔ 41

جیسا کہ تحریر کیا جاچکا ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں فیثا غورثی اور بطلیموسی نظریہ فلکیات دنیا بھر میں مقبول تھا۔ بطلیموسی نظریات کے مطابق چاند، سورج اور ستارے اس طرح متحرک نہیں ہیں جس طرح کے وہ نظر آتے ہیں اس نظریہ کے مطابق تمام ستارے اور سورج ایک ہی مرکز سے وابستہ آسمان کے محرک ہونے کی وجہ سے نظام شمسی اور دیگر ستارے محرک دکھائی دیتے ہیں۔ گویا کہ وہ از خود اس طرح محرک نہیں ہیں۔ "Geo Centric Cosmoslog Theory" بھی بطلیموسی ہے کہ فلکیات کا مرکز زمین ہے، دیکھیے۔42۔اس طرح تخلیق کائنات کے متعلق بیشتر فلسفیوں کا نظریہ یہ تھا کہ یہ خود بخود وجود میں آئی ہے یعنی اپنی خالق خود ہے اور بعض کے نزدیک کائنات کی حیثیت ازلی و ابدی ہے۔ یہاں تک کہ دور جدید میں بھی بعض الحادی نظریات کے فلسفی مثلاً جولین ہکسلے وغیرہ ایسا ہی نظریہ رکھتے ہیں، قرآن کریم نے چودہ صدیاں قبل ایسے تمام غلط اور الحادی نظریات کو رد کیا اور نظام شمسی اور تمام اجرام فلکی کے محرک ہونے کی خبر دی، جیسا کہ سورۃ یٰسین آیات 38 تا40 میں آیا ہے اور ان آیات کے علاوہ دیگر بعض آیات میں بھی سورج، چاند، ستاروں کے ایک مدت مقررہ تک محرک رہنے کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح سورۃ الانبیاء آیت نمبر 30 میں کائنات کی ایک دھماکے کے ساتھ عدم سے وجود میں لائے جانے کی خبر دے کر قرآن نے ایسے تمام باطل فلسفوں کا رد کر دیا جو کائنات کو ازلی و ابدی اور خود کار مانتے ہیں۔ اسی طرح کائنات کے انجام کے متعلق قرآن کریم نے چودہ صدیاں قبل خبر دار کیا کہ آخر کار کائنات کو لپیٹ لیا جائے گا اور وہ ایک عظیم تباہی سے دوچار کر دی جائے گی۔ اس کے علاوہ بھی کائنات و موجودات کے متعلق سینکڑوں اطلاعات و علوم لفظی و معنوی طور پر موجود ہیں جو زمانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ منکشف ہوتے چلے جارہے ہیں۔ جدید سائنسی انکشافات نے قرآنی کونیات کو بہت حد تک قابل فہم بنا دیا ہے اور ابھی تک کوئی سائنسی حتمی عالمگیر نظریہ ایسا سامنے نہیں آیا جو قرآن متضاد ہو۔ کیونکہ سائنس کا کوئی بھی حتمی نظریہ قرآن کے متضاد ہو ہی نہیں سکتا اور اگر کہیں ایسا نظر بھی آئے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ نظریہ ابھی اپنی حتمی شکل تک نہیں پہنچا اور اگر سائنس کا کوئی بھی نظریہ جب قرآن سے مطابقت پیدا کر لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی حتمی شکل تک پہنچ چکا ہوتا ہے لیکن اگر بالفرض وہ مطابقت کے بعد پھر سے کل کو تبدیل ہو جاتا ہے تو اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ سائنس کا کوئی نظریہ غلط ہوئے بغیر قرآن متضاد نہیں ہو سکتا۔ گویا اگر آج جو نظریہ قرآن سے مطابقت اختیار کیے ہوئے ہے کل کو اگر وہ تبدیل ہو جاتا ہے تو وہ غلط ہوئے بغیر تبدیل نہیں ہو گا۔ دیکھیے۔43۔دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ نظریہ تو درست ہو لیکن ہمارے علماء و مفسرین نے قرآنی معنی و مقاصد کو صحیح طور نہ سمجھا ہو اور بلا سمجھے قرآنی مقصد اُس سائنسی نظریہ کو غلط قرار دے دیا ہو، کیونکہ کسی سائنسی نظریہ کو صحیح یا غلط قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ سائنس و قرآن دونوں کے معنی مفہوم و مقاصد کو کلی طور پر سمجھا گیا ہو۔

جیسا کہ تحریر کیا جاچکا ہے کہ دور حاضر میں کئی بڑے سائنسی نظریات ایسے ہیں جنہوں نے قرآنی کونیات کو سمجھنے میں بہت آسانی پیدا کر دی ہے۔ مثلاً قرآنی اصطلاحات "رتق و فتق" کو بگ بینگ نظریہ نے سمجھنے میں بڑی آسانی پیدا کی اسی طرح کائنات کی "طئی" کیسے ہو گی Big chill نظریہ نے اسے سمجھنے میں مدد دی، کائنات کی عظیم تباہی کیسے ہو گی اور اس میں کون کون سے مراحل

درپیش ہوں گے بگ کرنچ نظریہ نے اس کی تفصیل فراہم کر دی۔ اسی طرح فلکیات و ارضیات کے متعلق کئی نظریات کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔44۔ لیکن بالفرض اگر کوئی سائنسی یا فلسفیانہ نظریہ ایسا ہو جو قرآن سے عدم مطابقت رکھتا ہو اور اس کی وجہ سے مذہب اسلام پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہوں تو اس کے رد سے اغماض اور غفلت برتنا یا محض فتوؤں سے اس کی تردید کر دینا قرآنی تفسیر کا حق نہ ادا کرنے اور اس کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچانے میں غفلت برتنے کے مترادف ہے۔ لہذا علمائے اسلام اور مفسرین کے پیش نظر اس بات کا ہونا ضروری ہے کہ تجزیاتی علم کے اعتبار سے دور جدید کو علم جدید کا دور سمجھا جاتا ہے۔ آج کے دور کی نفسیات یہ ہے کہ آج کے دور کے مسلمان دور حاضر کی سائنسی ترقی اور دنیا میں اس کے نظریات کے پھیلاو کے اثرات کو دیکھتے ہوئے اسلام کے عالمگیر تسلط اور اس کی حقانیت کو دنیا کے سامنے واضح کر دکھانے کے تمنائی ہیں۔ اور وہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مسلم معاشرہ کے اندر ایسے باصلاحیت افراد سامنے آئیں جو قرآنی حقانیت کو دنیا پر واضح کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہوں جس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآنی کونیات اور علم جدید دونوں پر عبور رکھتے ہوں اور وہ یہ واضح کرنے کے قابل ہوں کہ قرآن کریم علم جدید کی تائید و تردید کس انداز میں کرتا ہے؟ جبکہ قرآن کریم میں ہر دور کے مسائل کا حل اور ہر علم کی تائید و تردید کی بالفعل اور بالقوہ ہر طرح سے صلاحیت ہر وقت اور ہر زمانے کے لیے موجود ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ قرآنی اور زمانی دونوں طرح کے علوم پر مکمل دسترس حاصل ہو۔ کیونکہ کسی باطل فلسفہ کی تردید کے لیے دور جدید میں فتوے قطعی ناکافی ہیں کیونکہ فتوؤں سے تو صرف وقتی طور پر ہم مسلم معاشرہ کے افراد کو تو خاموش کرا سکتے ہیں لیکن اسلام سے باہر کے لوگ جب اسلام ہی کو نہیں مانتے تو وہ فتوؤں کو کیسے مالیں گے؟ نیز دوسری طرف اہل کفر اسلام پر حرف اٹھانے کے لیے یہ سوال کرتے ہیں کہ اسلام اگر دور جدید کے کسی علمی یا فلسفیانہ نظریہ کی تردید کرتا ہے تو اس کے پاس اس کے نظریہ کی تردید کا سائنٹیفک انداز اور پہلو کون سا ہے؟ قرآن کریم الہامی حکمت پر مبنی کتاب ہے جس کا مقابلہ کسی دور میں بھی دنیا کی کوئی سائنس یا فلسفہ نہیں کر سکتا جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس سے علوم و مسائل اخذ کرنے اور پھر انہیں دوسروں کے سامنے سائنٹیفک انداز میں پیش کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں، کیونکہ آج کے دور میں کسی علمی یا فلسفیانہ ایک غلط نظریہ کا رد اور اس کا توڑ ہم صرف اسی صورت میں کر سکتے ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں ہم ایک بہتر فلسفہ رکھیں جسے ہم قرآن سے اخذ کریں گے تو الحادی فلسفہ خود بخود غلط قرار پا کر اپنے اثرات کھو دے گا۔ ورنہ محض لفظی تردید بے اثر ثابت ہو گی۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا یہ کہنا قابل توجہ ہے کہ:

> "کسی غلط تصور کی تردید کے لیے تردید کا لفظ اس طرح سے استعمال نہیں ہوتا جس طرح سے محض ایک مذہبی تصور کی تردید کے لیے ہم یہ لفظ استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ جبکہ ایک فلسفیانہ تصور کی تردید کے لیے اگرچہ ہم اس کے نقائص بیان کرتے ہیں اور اس کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ ہمیں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہم اس تصور کی جگہ ایک دوسرا

تصور جسے ہم صحیح سمجھتے ہوں رکھ کر یہ بتائیں کہ کس طرح سے یہ دوسرا تصور کائنات کے تمام حقائق کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے"45

اس تمام بحث سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ دور حاضر میں ایسی کتب تفسیر قطعی نا قابل التفات ہوں گی جو مفسر کے اپنے ذاتی کونیاتی اندازوں یا ادوار گذشتہ کے مفسرین کی کونیاتی معلومات و آراء پر مبنی محض ہوں گی۔ کیونکہ ادوار گذشتہ اور دور حاضر میں فلکیاتی سائنس اور دیگر کونیاتی معلومات میں ایک بڑا فرق موجود پایا جاتا ہے۔ مثلاً قرون وُسطی کے بعض اسلامی فلسفیوں میں ابن مسکویہ کے نزدیک سورج زمین سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے جبکہ جدید سائنس کے مطابق سورج زمین سے بارہ سو گنا بڑا ہے، دیکھیے۔46۔ چنانچہ ابن مسکویہ کی معلومات پر اگر تفسیر میں لکھا جائے گا تو اس قول کی اہمیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہو گی۔ اس طرح کی بہت سی فلکیاتی و ارضی معلومات سابق کُتب تفسیر میں بھی درج ہیں۔ جنہیں دور حاضر کی کتب تفسیر میں بھی بعینہ نقل کر دیا گیا ہے اور جدید تحقیقات سے کسی طرح کا استفادہ بہت ہی کم کیا گیا ہے۔ لہذا ان کا حوالہ دیتے وقت اسے جدید تحقیقات پر پیش کیا جانا ضروری ہے۔

"علوم کونیہ سے اعراض کی نفسیاتی وجوہات"

علوم کونیہ سے اغماض برتنے کی علماء و مفسرین کے ہاں بعض نفسیاتی وجوہات ہیں جن میں ایک وجہ یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں جدید تعلیم سے آگاہی اور علوم کونیہ شامل نصاب نہیں جبکہ قرآن کریم کا تقریباً نواں حصہ آیات کونیہ پر مشتمل ہے جبکہ کونیاتی علوم اور علوم جدیدہ کو بیشتر مکتبہ ہائے فکر کے علماء کے ہاں غیر اسلامی علوم سمجھا جاتا ہے اور بقول ڈاکٹر برہان احمد فاروقی:

"قرآن مجید کا مطالعہ دینی تعلیم کے نصابات میں داخل ہی نہیں، قرآن مجید کی جگہ تفسیر پڑھائی جاتی ہے اور تفسیر کے تمام علوم انسانی شعور کے زائیدہ ہیں۔"47

دوسری بات جو علامہ طنطاوی کے نزدیک ہے وہ یہ کہ جو باتیں آسان تھیں انہیں مفسرین نے لے لیا اور جو عقلیت و ادبیت سے متعلق تھیں انہیں چھوڑ دیا، دیکھیے۔48

- بیشتر علماء و مفسرین کے ہاں علوم کونیہ کے عدم حصول اور اس کی عدم ترغیب کا نظریہ، دین و دنیا کی علیحدگی کے تصور سے پیدا ہوا، حالانکہ ایسا تصور تو مسیح علماء کے ہاں موجود ہے، کیونکہ ان کے نزدیک مسیحیت کا موقف یہ ہے کہ مذہب صرف عقیدہ کی حد تک ہے۔ علم کا اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ علم علم ہے اس لیے دونوں میں ہم آہنگی ضروری نہیں۔ دیکھیے۔49
- ہر مفسر کے ہاں وہ علم ضروری قرار پایا جاتا ہے جس میں اسے قدرے مہارت حاصل ہوتی ہے اور دوسرے علوم اس کے نزدیک اضافی یا مباح یا غیر شرعی متصور ہوتے ہیں۔ لہذا ہر مفسر پورے قرآن کی تفسیر صرف اُسی اسلوب اور اُسی تناظر میں کر ڈالتا ہے جو اس کا پسندیدہ اسلوب ہوتا ہے۔

- بعض لوگ مفسرین کی فہرست میں اپنا شمار کرانے کے لیے سابق کتب تفسیر سے مواد لیتے ہوئے تھوڑی بہت ترامیم کے ساتھ تفسیر لکھ ڈالتے ہیں، انہیں مقاصد تفسیر سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔
- عمومی طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ مختلف مکاتب فکر کے علماء و مفسرین کے ہاں یہ تصور رچ بس گیا ہے کہ وہ اپنے اپنے مکتبہ ہائے فکر کے علوم و نظریات سے باہر جھانکنا پسند نہیں کرتے چنانچہ ان مکتبہ ہائے فکر کے علماء و مفسرین اُس چیز پر کام کرنا پسند نہیں کرتے جن پر ان کے اساتذہ نے کام نہیں کیا ہوتا۔
- کسی ایک یا چند ایک علوم سے واقفیت رکھنے والا عالم اپنے اوپر پورے قرآن کی تفسیر کر دینا فرض سمجھ لیتا ہے جبکہ قرآن کریم سینکڑوں علوم کا منبع ہے۔ اس طرح وہ آیات کونیہ کی تفسیر بھی اپنے انہی علوم کے تناظر میں کر ڈالتا ہے جس سے آیات کونیہ اور دوسرے علوم سے متعلق آیات کی تفسیر کا حق ادا نہیں ہوتا۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ جو شخص قرآن کے جتنے حصے کا علم جانتا ہے اُسے صرف اسی حصہ کی تفسیر کرنا چاہیے اور بقیہ حصہ ان کے لیے چھوڑ دینا چاہیے جو قرآن کے ان علوم کے جاننے والے ہوں، دیکھیے۔50۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص پر پورے قرآن کی تفسیر کر ڈالنا فرض نہیں کی اور وہ بھی ایسی صورت حال میں جبکہ مفسر تمام قرآنی علوم کا جاننے والا یعنی ماہر بھی نہ ہو۔ صحابہ کرام جو کہ براہ راست نبی کریم ﷺ سے فیض یافتہ تھے انہوں نے اس احتیاط کے پیش نظر مبادا کہ کوئی غلطی نہ ہو جائے چند ایک آیات سے زیادہ قرآن کی تفسیر نہیں کی، یہاں تک کہ اُمت کے سب سے بڑے ترجمان القرآن حضرت ابن عباسی رضی اللہ عنہ سے زیادہ سے زیادہ ایک سو کے قریب تفسیری اقوال مستند حوالوں سے ثابت ہیں۔ 51
- بیشتر علماء و مفسرین نے تکمیل دین کا مقصد محض تکمیل فقہ تصور کر لیا ہے۔ اگرچہ قانون سازی کے بغیر نظام زندگی کو منظم نہیں رکھا جاسکتا۔ لیکن اس تصور نے دیگر تمام علوم کی ضرورت و اہمیت کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔ دیکھیے۔52
- اس کے علاوہ ہماری مذہبی تعلیمات کے دعویدار خود اپنے بارے میں بے اعتمادی کا شکار ہیں۔ جس کی وجہ علوم جدیدہ سے عدم واقفیت اور اس کا عدم حصول ہے۔ چنانچہ انسان کی عمومی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ جس علم یا چیز کی وہ خود معرفت نہیں رکھتا ہوتا تو وہ دوسروں کو بھی معلوم نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ پیاسا ہے تو پھر ساری دنیا کو پیاسا ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس طرح کی مکتبی مذہبی تفسیات بھی علوم جدیدہ کے حصول میں مانع ثابت ہوئی۔

****

حواشی و حوالہ جات

1۔ طنطاوی جوھری، "الجواھر فی تفسیر القرآن الکریم"، مصطفی البابی الحلبی بمصر طبعۃ الثانیہ، 1350ھ جُزاول، ص:3

Tantavi Johari, AL Jawaher Fi Tafsir Quranel Karim, Mustafai Albabi Alhalbi Misar, 1350. H, Vol,1,P:3

حریری غلام احمد، "تاریخ تفسیر و مفسرین" ملک سنز پبلشرز فیصل آباد، 1993ء، ص:644

Ghulam Ahmad Hariri, Tarikh Tafseer w Mufasserin, Malik sons, Faisalabad, 1993,P:644

2۔ محولہ بالا، ص: 111-106

Op.Cit, P:106-111

3۔ طنطاوی جوہری، "جواھر علوم قرآنی" م، عبدالصمد صارم الازہری، آزاد بک ڈپو سرگودھا، 1964، ص:100-98

Tantavi Johari, Jawahir Uloom-e-Qurani, Trans, Abdul Sammad Sarim al Azhari, Azad Book Depot Sargodha, 1964, P: 98-100

4۔ محمد رفیع الدین ڈاکٹر، قرآن اور علم جدید، آل پاکستان ایجوکیشن کانگرس لاہور، 1986ء، ص:95

Muhammad Rafiuddin Dr., Quram aur Ilam-e-Jadeed, All Pakistan Educational Congress Lahore, 1968, P: 95

5۔ محمد طیب قاری، "سائنس اور اسلام" دارالاشاعت کراچی، 1975، ص:110-105

Muhammad Tayyeb Qari "Science & Islam" Dar-ul-Ishat Karachi, 1975, P: 105-110

6۔ الشوریٰ:32

Ashura:32

7۔ لقمان:31

Luqman:31

8 سبا:12

Saba:32

9۔ آزاد ابوالکلام مولانا، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی لاہور، 1986ج:1، ص:135

Azad Abu-ul-Kalam Moulana, Tarjman-ul-Quran, Islami Academy Lahore,1986, Vol-1, P:135

10. Allama Muhammad Iqbal, The reconstruction of Religious Thoughts in Islam, Institute of Islamic culture Lahore, 1986, P:3

11. Do, P:3

12۔ شبلی نعمانی و سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ، مکتبہ مدینہ لاہور، 1408ھ، ج:1، ص:126

Shibli Naumani w Salman Nadvi, Seerat-un-Nabi(PBUH) Maktaba Madina Lahore 1408, Vol-1, P:126

13۔ النحل:44

Annahal:44

14۔ ابن خلدون عبد الرحمان علامہ، "مقدمہ" م، مولانا راغب رحمانی دہلوی، 1977، ج:2، ص:470

Ibn-e-Khuldoon, Abdul Rehman Allama "Maqadma" , "T", Raghib Rehmani Dehlvi, 1977, Vol-2, P:470

15۔ فصلت:53

"Fuselat", 53

16۔ ص:88

"Saa'd", 88

17۔ محمد رفیع الدین ڈاکٹر، قرآن اور علم جدید، ص:"ج"

Muhammad Rafiuddin, Dr., Quran aur Ilam-e-Jadeed, P: Jeem.

18۔ مالک بن انس، موطا امام مالک، باب ماجاء فی القراٰن، م، وحید الزمان، اسلامی اکامی لاہور، 1408ھ، ص:176

Malik bin Anas, Mauta Imam Malik, Bab Ma Ja Fi ul Quran, "T", Wahid Zaman, Islami Academy Lahore, 1408,H P:176

19۔ حریری غلام احمد، تاریخ تفسیر و مفسرین، ملک سنز فیصل آباد، 1996، ص:52

Harari Ghulam Ahmad , Tarikh Tafseer w Mufasserin,P:52

20۔ صُبحی صالح ڈاکٹر، علوم الحدیث، م، غلام احمد حریری، ملک سنز فیصل آباد، 1986، ص، 65-462

Subhi Saleh, Dr. Auloom-ul_Hadith, "T", Gulam Ahmad Hurari, Malik Sons Faisalabad 1986,P:462-65

21۔ النحل:16

Alnnahal:16

22۔ الواقعہ:75

Al Waqaya: 75

23۔ اصلاحی امین احسن، مبادی تدبر قراٰن، فاران فاونڈیشن لاہور، 1996، ص:91-90

Islahi Amin Ahsan, " Mubadi Tabbadur Quran, Faran Foundation Lahore, 1996, P:90-91

24۔ محمد قطب، جدید جاہلیت، م، ساجد الرحمن صدیقی، البدر پبلیکیشنز لاہور، 1980، ص:12-9

Muhammad Qutab, Jadeed Jahiliyat, "T", Sajid Rehman Siddiqui, Al Baddar Publications Lahore, 1980, P:9-12

25۔ مودودی سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القراٰن، ادارہ ترجمان القراٰن لاہور، ج:1، ص:480-479

Maudoodi Syed Abu-ul-Aala, Tafhim-ul-Quran, Idara Tarjuman-ul-Quran Lahore, Vol-1, P 479-480

26۔ الاحقاف:10

Al-Ahqaf:10

27۔ ال عمرٰن:18

Al-Imran: 18

28۔ الاسرا:107

Al-Asra:107

29۔ فاروقی برہان احمد ڈاکٹر، منہاج القراٰن، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 1998، ص:156-155

Farooqi Burhan Ahmad Dr., Minhajul Quran, Idara Sqafat-e-Islamia Lahore, 1998, P:155-156

30۔ یٰسین:70

Yasin:70

31۔ زیات احمد حسن، تاریخ ادب عربی، م، عبدالرحمن طاہر سورتی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1961، ص:148-147

Ziat Ahmed Husan, " Tarikh Adab Arbi" , "T", Abdul Rehman Tahir Surti, Sheikh Ghulam Ali Lahore, 1961, P: 147-148

32۔ بخاری محمد بن اسماعیل، "الجامع الصحیح" کتاب التفسیر، م، وحید الزمان، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی، ت۔ندارد، ج:6، ص:334-333

Bukhari Muhammad Bin Ismaeel, Ajaamia Assahi, "T", Wahiduzaman, Taj, co limited, (Pub Nill) Karachi, vol, 6, P: 333-34.

33۔ اصلاحی امین احسن، مبادی تدبر قرآن، ص:193

Islahi Amin Ahsan, Mubadi Taddor-e-Quran, P:193

34۔ ابن کثیر حافظ عماد الدین، تفسیر ابن کثیر، م، محمد جُونا گڑھی، اسلامی کُتب خانہ لاہور، 2004، ج:3، ص:219

Ibn-e-Kasir, Hafiz Imadudin, "T", Muhammad Juna Garhi, Islami Kutab Lahore, 2004, vol,3,P:219

35۔ ایضاً، ص:220

DO, P:220

36۔ تقی امینی، تہذیب کی تشکیل جدید، مکی دارالکتب لاہور، 1996، ص:33

Taqi Amini, Tehzeeb ki Tashkeel Jadid, Makki Dar-ul-Kutab Lahore, 1996, P:33

37۔ محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، م، ڈاکٹر میر ولی الدین، مسعود پبلشنگ ہاوس کراچی، 1964، ص:16-17

Muhammad Lutfi Jumah, Tarikh Philsfa-tul-Islam, "T", Dr. Mir Waliuddin, Masood Pub house, Karachi. 1964 P:16-17

38۔ ایضاً

DO

39۔ البیرونی ابوریحان، ھندو دھرم، م، نگارشات پبلشرز لاہور، 2007، ص:112-83

Al Behrooni, Hindu Dahram. "T" Nigarshat Pub, Lahore, 2007, P:83-112

40۔ سنگروری سعدی، ابن رشد، مکتبہ پاکستان لاہور، 1989، ص:15-13

Sangrory, Sadi, Ibn-e-Rushad, Maktaba Pakistan Lahore, 1989, P:15-13

41۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارہ معارف القرآن کراچی، 1985، ج:6، ص:490

Mufti Muhammad Sahfee, Muharif-ul-Quran, Idaratul Muharif Karachi,1985, Vol:6, P:490

42- "Stephen Hawking, A Brief History of Time" Pengun Books Australia, 1988, P:3

43۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قرآن اور علم جدید، ص:128-127

Dr. Muhammad Raffiuddin, Quran aur Ilam-e-Jadid, P:133

44- AB-Al-Mehri, "Scientific Truths and Quran", The Quran Project Birmingham, 2018, P.O,13976, P:14-15

45۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قرآن اور علم جدید، ص:133

Dr. Muhammad Raffiuddin, Quran aur Ilam-e-Jadid, P:133

46۔ محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص:316

Muhammad Lutfi Jumma, Tarikh Philasifatul Islam, P:316

47۔ فاروقی بُرہان احمد ڈاکٹر، "قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل"، علم و عرفان پبلشرز لاہور، 1999، ص:29

Farooqi Burhan Ahmed Dr, Quran aur Muslmano ky Zinda Masail, Ilam wa Irfan Pub Lahore, 1999, P:29

48۔ علامہ طنطاوی جوہری، جواھر علوم قرآنی، م، عبدالصمد صارم الازھری، ص:115

Allama Tantavi Johari, Jawahir uloom Qurani, "T" Abdul Samad Sarim al Azhari, P :115

49۔ سنگروری سعدی، "ابن رشد"، ص:11

Sangrori Sadi, Ibne Rushad, P:11

50۔ البیہقی الحافظ ابو بکر، "المدخل الکبیر" م، حکیم یحییٰ خان، ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور، 1992، ص:326

Al, Behaqi Al Hafiz Abu Bakar, " Al Mudkhlal Kabir" , "T", Hakim Yahya Khan, Idara Muharif Islami Mansoora Lhore, 1992. P:326

51۔ صُبحی صالح ڈاکٹر، "علوم القرآن"، م، غلام احمد حریری، ملک سنز فیصل آباد، 1986، ص:414

Subhi Saleh Dr. Uloom-ul-Quran, "T", Ghulam Ahmed Harari, Malik Sons Faisalabad, 1986, P:414

52۔ فاروقی برہان احمد ڈاکٹر، "قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل"، ص:33

Farooqi Burhan Ahmed Dr. ,Quran aur Musalmano ky Zinda Masail, P :33

****